Regd. No. A. 9[illegible]
Telephone No. 39
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپے
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر:- آل احمد سرور

جلد ۱۴ | علی گڑھ - یکم دسمبر ۱۹۵۷ع | شمارہ ۴۵

نستعلیق اور لیتھوگرافی

تمکین کاظمی حیدرآباد، دکن

خط نستعلیق اپنے پیچھے بڑی لمبی داستان رکھتا ہے۔ ابتداً جو خط عرب میں استعمال ہوتا تھا وہ خط جزم تھا جسے خط کوفی کے نام سے شہرت ہوئی۔ یہ خط غیر منقوط تھا۔ سلیمان بن عبدالملک بن مروان کے زمانے میں اس پر نقطے لگائے گئے اس کے بعد خلفائے بنی عباس نے بغداد میں اس طرف توجہ کی اور خط کوفی سے ۱۳ خط نکالے گئے جن کے نام

۱۔ خط طومار، ۲ خط سجلات ۳ خط عہود، ۴ خط موامرات ۵ خط امانات ۶ خط دیباج ۷ خط مدبج ۸ خط مرصع ۹ خط ریاش ۱۰ خط غبار ۱۱۔ خط خرجس ۱۲۔ خط بیاض ۱۳ خط حواشی تھے۔

ان خطوط کا محل استعمال الگ الگ تھا خط طومار جلی قلم سے لکھا جاتا تھا جس کے آثار کتبوں کی صورت میں اب بھی باقی ہیں خط سجلات خفی لکھا جاتا تھا اور بہت پیچیدہ تھا خط عہود خط موامرات اور خط امانات کا قلم متوسط ہوتا تھا جس سے احکام قبالے اور دستاویزات لکھے جاتے تھے خط دیباج، خط مدبج، خط مرصع اور خط ریاس خوشنویسی کے خطوط تھے ان کی کششیں ایک دانگ سے ۶ دانگ تک ہوتی تھیں خط غبار، خط خرجس، خط بیاض، اور خط حواشی کتابوں کی کتابت کے لئے مخصوص تھے۔

ان خطوط نے زمانہ ہجرت سے تین سو برس تک اپنا اثر رکھا مگر ابن مقلہ (ولادت ۲۷۲ھ وفات ۳۲۸ھ) نے ان میں تصرفات کئے اور نئے خط ایجاد کرکے انہیں متروک کردیا۔ ابن مقلہ نہ صرف عالم فاضل کاتب اور وزیر تھا بلکہ بڑا اچھا خوش نویس بھی تھا اس نے چھ نئے خطوط ایجاد کئے ان خطوط کا مدار سطح اور دور پر رکھا ان کے لکھنے کے اصول بنائے اور عام کئے۔

۱۔ خط محقق۔ ابن مقلہ نے اس خط کو قرآن کی کتابت کے لئے مخصوص کیا تھا

۲۔ خط ریحان۔ عام خط و کتابت کے لئے وضع کیا گیا۔

۳۔ خط ثلث ریحانی خوشنویسی کے لئے ایجاد کیا گیا۔

۴۔ خط نسخ۔ ۳۱۰ھ میں المقتدر باللہ کی خلافت کے زمانے میں وضع کیا گیا اس کے لکھنے کے بارہ قاعدے بنائے گئے چونکہ یہ خط دوسرے خطوط سے بہت آسان تھا۔ اس لئے لوگوں نے اسے بہت جلد سیکھ لیا اور بہت جلد عام ہوگیا اور یہ طے پایا کہ قرآن مجید کو اسی میں لکھا جایا کرے اور خط محقق خط ریحان میں عبارات کے کتبے لکھے جائیں۔

یاقوت مستعصمی (جو مستعصم باللہ کا غلام تھا) نے بھی اس خط میں کمال پیدا کیا اور بڑی شہرت حاصل کی۔

۵۔ ابن مقلہ نے قرآنی خط کو دوسرے تمام خطوں سے افضل اور ممتاز رکھنے کی خاطر خط توقیع وضع کیا چنانچہ اس وقت کے قاضی اپنے سجل اور دوسری تحریرات اسی خط میں لکھنے لگے۔

۶۔ ابن مقلہ نے رقعات اور شاہی احکام کے لئے ایک اور خط ایجاد کیا جس کا نام رقاع رکھا اور عام مراسلت اسی میں ہونے لگی۔ یہ چھ خطوط ابن مقلہ کی زندگی ہی میں عام ہوگئے۔ پچاس برس تک بغیر کسی تغیر و تبدل کے یہ خطوط استعمال ہوتے رہے ابن بواب ابوالحسن علی بن ہلال بغدادی نے (جو بہ واسطہ ابن مقلہ کے بھائی کا شاگرد تھا) اس خط میں بہت تصرفات کئے مگر بیاض کا خط وغیرہ متروک کرکے خط کو بارونق بنادیا مگر شان خط میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ابن مقلہ نے خطاطی کے بارہ قاعدے وضع کئے تھے، جو اب تک مستعمل ہے۔

۱۔ ترکیب ۲۔ کرسی ۳۔ نسبت ۴۔ ضعف و قوت ۶۔ سطح ۷۔ دور ۸۔ صعود مجازی ۹۔ نزول مجازی ۱۰۔ اصول ۱۱۔ صفائی ۱۲۔ شان۔

سنہ [illegible] میں عماد الدولہ دیلمی (یا عضد الدولہ) کے عہد میں حسن بن حسین بن علی فارسی کاتب نے خط نسخ، خط رقاع اور خط ثلث سے خط تعلیق وضع کیا اور شاہی مراسلات اسی خط میں لکھے جانے لگے اسی وجہ سے اس خط کا نام ترسل پڑ گیا۔

اسی زمانے میں یعنی ۸۰۰ھ ہی میں خواجہ میر علی تبریزی نے خط نسخ اور خط تعلیق سے ایک نیا خط وضع کیا جس کا نام نسخ تعلیق رکھا گیا جو کثرت استعمال سے نستعلیق ہو گیا۔

ابتداً خواجہ میر علی نے یہ خط اپنے فرزند میر عبد اللہ کو سکھایا اور میر عبد اللہ سے اتنے لوگوں نے سیکھا کہ بالکل عام ہو گیا اور بیسوں استاد اس فن کے بن گئے جن میں میر عماد وغیرہ بہت مشہور ہوئے۔

چونکہ خط نستعلیق اپنی باریکیوں کی وجہ سے دیر میں لکھا جاتا تھا اس لئے مرتضیٰ قلی خاں شاملو نے جو ۱۰۰۰ھ میں ہرات کا حاکم تھا خط شکستہ وضع کیا جس سے یہ غرض تھی کہ جلدی لکھا جا سکے اور پھر خطاطی کی تعریف سے باہر یا خارج بھی نہ ہو سکے۔ یہ شکستہ خط ہندوستان میں بہت رائج رہا بلکہ اب بھی رائج ہے۔

مرتضیٰ قلی خاں کے منشی نے خط شکستہ سیکھ کر اس میں چند باتیں تعلیق کی بڑھا دیں جس کا نام خط شفیعا ہو گیا اس میں رائے پیچیدہ (خ ع) ی۔ ن۔ پیچیدہ (ر لے) کنم وغیرہ کی زیادتی تھی اور کچھ نہیں۔ شاہان ہند نے ان خطوط کی بڑی سرپرستی کی خصوصاً شاہان مغلیہ نے تو خط نستعلیق اور شکستہ کو وہ عزت دی کہ زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔

یوں تو ایران میں ہزاروں خطاط گزرے ہیں جن میں سے بعض تو ایسے لاثانی تھے کہ ان کے نمونے اب تک لوگ سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں مگر ان کے علاوہ ہندوستان میں بھی ہزاروں خطاط یا تو ایران سے آئے یا یہیں تیار ہوئے بہرحال ہندوستان میں نستعلیق بہت پھولا پھلا۔ ہزاروں کتابیں بہترین خوش نویسوں سے لکھوائی گئیں اور نفیس ترین مصوروں سے ان کے مرقعے سجائے گئے۔ عمدہ ترین نقاشوں سے حاشیہ پر بیل بوٹے اور طلا کاری کرائی گئی اور سیکڑوں کتابیں محفوظ کی گئیں ایسی بیشتر کتابیں یورپ کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں اور چند عمدہ ترین مخطوطات حیدرآباد کی سالار جنگ میوزیم میں بھی موجود ہیں۔

بادشاہوں اور امیروں کی سرپرستی کی وجہ سے فن خوش نویسی یا خطاطی نے بڑی ترقی کی علاوہ ازیں ہندوستانی تعلیم کا جزو بھی خوش نویسی بن گئی بچوں کو بچپن ہی سے ابتداً لکڑی کی تختی پر کھڑیا (کھریا) لیپ کر اس پر کٹ کے بنے بنا کر انہیں الف بے کی مشق کرائی جاتی تھی جب وہ الف با اچھی طرح لکھ لیتے تو پھر ان سے وصلی لکھوائی جاتی جس کی ابتدا بھی الف با سے ہوتی پھر مرکبات لکھوائے جاتے آخر میں قطعات لکھوائے جاتے۔ چنانچہ آج سے پچاسس سال پہلے یہ طریقہ تعلیم عام تھا اور خوش نصیبی سے مجھے بھی ابتداً انہیں اصول سے لکھنا سکھایا گیا۔ مگر چالیس سال ہو گئے کہ فونٹین پن نے کچھ ایسا بہکایا کہ پھر واسلی قلم چھوڑ گیا اور اس فن کو بھول ہی جانا پڑا۔ اب بھی بعض بزرگ اسی نہج پر لکھتے ہیں چنانچہ علی گڑھ میں میرے محترم دوست مولانا ضیاء احمد بدایونی موجود ہیں جو اب بھی اپنی مراسلت اسی نستعلیق طریقے پر جاری رکھے ہوئے ہیں جیسی کہ پچاسس سال پہلے تھی۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جہاں ہماری اور اچھی باتیں ختم ہو گئیں خوش نویسی اور خطاطی بھی ختم ہو گئی مگر اتفاق سے غدر کے ساتھ ہی ساتھ لیتھوگرافی بھی ہندوستان میں عام ہو گئی (چونکہ لیتھو کی کاپی خط نستعلیق میں لکھی جاتی تھی اس لئے محض فن کتابت کی خاطر لوگوں نے خوش نویسی سیکھنی شروع کی اور ہر ایک پریس میں چند اچھے خطاط نظر آنے لگے، چنانچہ بمبئی سے کلکتہ تک، دہلی سے حیدرآباد تک، بہار سے مدراس تک لیتھو پریسوں کا ایک جال بچھ گیا اور ہر جگہ لیتھو کی چھپائی ہونے لگی۔

ایران کے ایک بزرگ مرزا [illegible] نے بمبئی میں ایک لیتھو پریس قائم کرکے ایرانی نہج کو ہندوستان میں عام کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے شاہنامہ، دیوان حافظ شیرازی، گلستان سعدی وغیرہ خط نستعلیق میں بڑے عمدہ چھاپے اور ایک قرآن مجید بھی ۳۰ ورق میں نسخ کا بڑا عمدہ شائع کیا۔

نول کشور پریس نے نسخ اور نستعلیق میں بڑی نفیس کتابیں شائع کیں جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ (باقی)

ہماری زبان

یکم دسمبر ۱۹۵۷ء

پنجاب اور اردو

پنجاب میں صدیوں سے اردو کا چلن رہا ہے۔ اردو کی نشوونما میں پنجاب کا بہت نمایاں حصہ ہے۔ آج بھی پنجاب میں اردو جاننے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ وہاں کے اخباروں میں سب سے بڑی تعداد اردو کے اخباروں اور رسالوں کی ہے۔ وہاں ہندی اور پنجابی کی جو رسّہ کشی ہے، وہ بھی اردو اخباروں کے ذریعے سے ہو رہی ہے۔ بقول پنڈت جواہر لال نہرو اور پنڈت پنت سوال ہندی کا ہو یا پنجابی کا بحث سب اردو ہی میں ہوتی ہے۔ وہاں کی یونیورسٹی نے طے کیا ہے کہ ہائی اسکول کے امتحان کے جواب انگریزی کے علاوہ پنجابی، ہندی اور اردو میں بھی دیے جا سکتے ہیں۔ حال میں وہاں ایم اے کی تعلیم بھی شروع ہو گئی ہے۔ وہاں انجمن ترقی اردو ہند کی متعدد شاخیں قائم ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کی انجمنوں اور اداروں کی بڑی تعداد ہے۔ اردو کی کتابیں خریدنے والوں میں پنجاب کے لوگ بہت پیش پیش ہیں۔ آپ پنجاب کے اس سرے سے اس سرے تک چلے جائیے، آپ کو اسٹیشنوں پر اردو کے اخبار، رسالے، کتابیں خاصی تعداد میں ملیں گی اور عارف و عامی سب اردو کے اخبار پڑھتے اور اپنے مخصوص جاندار لہجے میں اردو میں یا پنجابی میں باتیں کرتے نظر آئیں گے۔ مشاعروں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں جن میں غالب تعداد ہندوؤں اور سکھوں کی ہوتی ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو پنجابی اور ہندی کے علاوہ اردو بھی وہاں کی زبان ہے اور اس حیثیت سے اسے سرکاری طور پر تسلیم کرنا چاہیے۔ اردو اور پنجابی کا رشتہ ہندی اور پنجابی سے زیادہ قریبی ہے۔ ہندی کا چلن پنجاب میں حال کی خصوصیت ہے، اردو سے اس کا رشتہ پرانا ہے اور ایسا قوی ہے کہ اسے کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مصنفین کے حقوق کی حفاظت

اخباروں سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ایسے ناشرین ہیں جو دھڑلے سے، دوسرے ملک کے مصنفین کی کتابیں بغیر اجازت چھاپ لیتے ہیں۔ یہ بڑی نازیبا بات ہے۔ کسی کے خون جگر کو اس طرح مال تجارت بنانا کہ مصنف کو اس کی محنت کا کچھ بھی اجر نہ ملے، اخلاقی تہذیبی اور انسانی نقطۂ نظر سے ایک جرم ہے۔ اردو کے ناشروں کو اس سلسلے میں عام روش کا ساتھ نہیں دینا چاہیے بلکہ اخلاق اور تہذیب کا ثبوت دینا چاہیے۔ اول تو مصنف سے اجازت لینے میں ایسی دقت نہیں ہے اور اگر دقت بھی ہو تو اس کے کسی نمائندے کے ذریعے سے باقاعدہ معاملہ کرنا چاہیے۔ دونوں ملکوں کی حکومت کو ایسے قوانین وضع کرنے چاہئیں کہ مصنفین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ پھر رائے عامہ کو ایسے ناشرین کے خلاف ابھارنا چاہیے۔ جو اس طرح دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ کوئی ممتاز اور مقبول مصنف اس حملے سے محفوظ نہیں ہے اور اس لئے اس کے حقوق کی حفاظت دونوں ملکوں کے سنجیدہ اور ذمے دار حضرات کا فرض ہے۔

ادارۂ تعلیم اردو

ادارۂ تعلیم اردو علی گڑھ کی سالانہ تقریب ۱۵ر نومبر کی شام کو ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔

جلسے کا آغاز نسیم قریشی صاحب لکچرر شعبۂ اردو کی سالانہ رپورٹ سے ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے صدارتی تقریر کی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ جامعہ کی آنریری خدمات انجام دینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ظہیر الدین علوی صاحب نے نواب رحمت اللہ خاں صاحب کا خاص طور سے ذکر کیا۔ آخر میں حاضرین نے ایک پرتکلف عصرانہ میں شرکت کی جس کا انتظام نواب صاحب موصوف کی طرف سے کیا گیا تھا۔

ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے انعام

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ریڈر اردو دہلی یونیورسٹی کو ان کی کتاب میر تقی میر حیات اور شاعری پر ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے اردو کی ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء کی بہترین کتاب پر پانچ ہزار روپے کا انعام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند نے چھاپی تھی۔ گزشتہ سال ڈاکٹر عابد حسین کو یہ انعام ملا تھا اور ان کی کتاب بھی انجمن نے چھاپی تھی۔

بقیہ تجاویز مدھیہ پردیش اردو کنونشن

تجویز نمبر ۸

مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام اس صوبہ میں اردو کی ترقی و اشاعت کی کوشش کو زیادہ تیز کرنے کے لئے اردو دوستوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں انجمن کو مضبوط بنائیں اور وسعت دیں۔ شبینہ اور اسلامی مدارس دارالمطالعہ اور کتب خانے اور اشاعت گھر کھولیں اور مشاعرے منعقد کریں اور ترقی اردو کے مناسب ذرائع اختیار کریں۔ تاکہ اردو بولنے۔ اردو پڑھنے اور اردو لکھنے والوں کا دائرہ وسیع ہو سکے۔

تجویز نمبر ۹:-

مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام حکومت مدھیہ پردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اردو کے ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کو ان کی ادبی علمی خدمات کے صلے میں وظائف دے اور ان کی تصانیف پر انعامات دے اور ان کی سرپرستی کرے۔

تجویز نمبر ۱۰:-

مارچ ۵۵ء میں جو کل راجستھان اردو کنونشن جے پور میں ہوا تھا اس میں چند مطالبات تجاویز کے ذریعے پاس کر کے حکومت راجستھان کے سامنے رکھے گئے تھے۔

لیکن افسوس ہے کہ حکومت راجستھان نے اس طرف ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی ہے اس سلسلے میں مولانا حفظ الرحمن صاحب کی زیر قیادت ایک وفد بھی حکومت راجستھان کے ذمہ داران سے مل کر مطالبات کی طرف ان کی توجہ مبذول کرا چکا ہے اسے بھی کئی ماہ گزر چکے ہیں پھر بھی اب تک اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے جو راجستھان کے لوگوں کی بنیادی ضرورت ہے۔

لہذا مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام راجستھان کی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کل راجستھان اردو کنونشن جے پور کے مطالبات جلد از جلد منظور کر کے اردو تعلیم کا انتظام کرے۔

ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش

مجلس عاملہ مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو ہند (بھوپال) کے حسب ذیل عہدہ دار اور اراکین منتخب کئے گئے ہیں۔

عہدے داروں کے نام

۱۔ صدر:-	حضرت کوثر چاندپوری	بھوپال
۲۔ نائب صدر	مسٹر اشتیاق عارف (مدیر افکار)	"
۳ "	الحاج محمد صلاح الدین صاحب قریشی بی۔ اے	برہان پور
۴ "	مسٹر عبد الباقی ایم۔ اے	جبل پور
۵ "	مسٹر شرق عثمانی	بھوپال
۶۔ جنرل سکریٹری	مسٹر ایم عرفان مدیر آرٹ کلچر	"
۷۔ سکریٹری	مسٹر اختر سعید خاں بی۔ اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ	"
۸۔ آفس سکریٹری	مسٹر مفتی محمد جنید صدیقی مدیر کردار	"
۹۔ پراپیگنڈہ سکریٹری	مسٹر طالب قریشی جرنلسٹ	"
۱۰۔ خازن	مولانا وحیدی الحسینی	"
۱۱۔ جائنٹ سکریٹری	حضرت وکیل بھوپالی	"
۱۲ "	مسٹر اسعد محمد قریشی	گوالیار
۱۳ "	مسٹر ظفر احمد نظامی ایم۔ اے	اندور
۱۴ "	مسٹر محمد یونس ایڈوکیٹ	کوروائی
۱۵ "	مسٹر محمد بیگ ساد	برہان پور
۱۶ "	مسٹر مرزا خوشنودی ایم اے ایل ایل بی	(مندسور)
۱۷ "	مسٹر درگا پرشاد شاد	بھوپال
۱۸ "	مسٹر وحید الحسن	اُجین
۱۹ "	مسٹر غلام نبی شمیم	جبل پور

اراکین مجلس

۲۰	ڈاکٹر شفا گوالیاری	بھوپال
۲۱	مسٹر ادریس کاوشی	سیہور
۲۲	مسٹر محمد ظہیر ایم اے	بیر سیہ
۲۳	مسٹر منظور سعید خاں بی۔ اے	رائسین
۲۴	مسٹر عاشق محمد خاں عاشق	بھیلسہ
۲۵	پروفیسر شیخ فرید صاحب ایم اے	برہان پور
۲۶	مسٹر محمد ایوب صابر	جبل پور
۲۷	مسٹر عبد الحمید خاں جوہر باسودی	گنج باسودہ

جنرل سکریٹری

ایم۔ عرفان

اردو دنیا

انجمن کی یادداشتیں زیر غور

نئی دہلی ۔۔۔ نومبر آج وزیر داخلہ پنڈت گوبند ولبھ پنت نے راجیہ سبھا میں ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ لسانی اقلیتوں کا کمیشن اقلیتوں کی زبانوں کی حفاظت کے لئے ہر ممکن اقدام کرے گا۔

ڈاکٹر آر بی گوڑ نے ایک سوال میں پوچھا تھا کہ بعض ریاستوں میں اردو کو سرکاری کاموں میں استعمال کرنے کے لئے انجمن ترقی اردو نے حکومت کو کوئی یادداشت پیش کی ہے اور اگر پیش کی ہے تو حکومت نے اس سلسلہ میں کیا قدم اٹھایا ہے۔

پنڈت پنت نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انجمن ترقی اردو نے اتر پردیش راجستھان اور بہار میں اردو کو علاقائی زبان قرار دینے کے لئے ریاستوں کی تشکیل نو سے پہلے یادداشتیں پیش کی تھیں۔ اس کے بعد انجمن کی راجستھان شاخ نے نومبر ۱۹۵۰ء میں ایک یادداشت پیش کی تھی۔

انھوں نے کہا کہ اس یادداشت میں حسب ذیل نکات پر خاص طور سے زور دیا گیا تھا۔

(۱) راجستھان میں اردو بولنے والوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔

(۲) عدالتوں اور دفتروں میں درخواستیں قبول کی جائیں۔

(۳) تمام قوانین اور اعلان اردو میں بھی شائع کئے جائیں۔

وزیر داخلہ نے بتایا کہ یہ تمام یادداشتیں لسانی اقلیتوں کے کمیشن کے پاس بھیج دی گئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اقلیتوں کی زبان کے متعلق پارلیمنٹ کی ہدایات پر ایمانداری سے عمل کیا جائے گا۔

دوسرے ضمنی سوالات کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کمیشن کا کام لسانی اقلیتوں کو دئے گئے تحفظات پر پوری طرح عمل کرانا ہے۔

شری نواب سنگھ چوہان کے ایک سوال کے جواب میں جس میں انھوں نے دریافت کیا تھا کہ راجستھان اور بہار میں اردو بولنے والوں کا فی صدی تناسب کیا ہے، وزیر داخلہ نے کہا کہ اس کے بارے میں ٹھیک تناسب نہیں بتایا جا سکتا ہے بعض جگہوں پر اردو بولنے والے زیادہ ہیں اور بعض جگہ کم۔

مولانا آزاد کی خودنوشت سوانح حیات

نئی دہلی ۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی خودنوشت سوانح حیات بہت جلد شائع ہو جائے گی۔ ان کی یہ سوانح حیات دو حصوں میں ہے پہلا حصہ ان کی پیدائش سے لے کر ۱۹۰۸ء تک سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا حصہ ۱۹۲۸ء سے موجودہ زمانے تک کا ہے۔ ان کی اس کتاب کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ہمایوں کبیر نے کیا ہے۔

اس کتاب کے بعض ابواب میں مولانا آزاد نے آزادی کے بارے میں نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو سے جن کے ساتھ مل کر انھوں نے ایک طویل مدت تک کام کیا ہے ان کے کیا اختلافات تھے۔

چینی سفیر کی اردو سے دلچسپی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کلچرل کمیٹی کی طرف سے چینی فن صنعت اور تصاویر کی نمائش کا آغاز ۲۷ نومبر کو سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں ہوا نمائش کے افتتاحیہ جلسے میں دوسرے معززین کے علاوہ ہز ایکسلنسی سفیر چین ۔ آنریبل سید علی ظہیر صاحب اور کرنل بشیر حسین زیدی صاحب وائس چانسلر نے شرکت کی جلسہ کا آغاز وائس چانسلر صاحب کی تقریر سے ہوا۔ نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے سید علی ظہیر صاحب نے چین اور ہندوستان کے قدیم تاریخی اور مذہبی تعلقات پر روشنی ڈالی اور پنچ شیل کا ذکر کیا ہز ایکسلنسی سفیر چین نے اپنی تقریر میں چین اور ہندوستان کی امن کے لئے مشترکہ کوششوں کو سراہا اور اپنی تقریر میں کئی بار موصوف نے اردو زبان سے دلچسپی کا اظہار کیا اور یونیورسٹی کے چینی طلبہ کی اردو سے واقفیت حاصل کرنے پر خوشنودی ظاہر کی آخر میں یونیورسٹی کے طلبہ کے ایک گروہ نے چینی اور ہندوستانی ترانہ پڑھ کر سنایا۔

اردو کے لئے جدوجہد

فیض آباد کے ایک عام جلسے میں حیات اللہ انصاری صاحب نے اردو کو سرکاری طور پر علاقائی زبان تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ تنظیمی کمیٹی اور لسانی کمیشن کی سفارشوں پر عمل درآمد ہونا چاہئے۔ موصوف نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اردو کے لئے اپنی جدوجہد کو اور تیز کردیں۔

مراسلات

آغا شورش کاشمیری

۱-۱۱-۵۷ کا ہماری زبان مطالعہ میں آیا۔ صفحہ ۵ پر دوسرے کالم کی بارہویں سطر میں مولانا حفظ الرحمن صاحب کے مضمون میں لفظ "تقاضہ" دیکھ کر رنج ہوا تماشی اور تقاضی ایسے الفاظ کے آخر میں آنے نہیں ہے الف مقصورہ کو الف سے بدل کر تقاضا اور تماشا تو قابل برداشت ہیں لیکن تماشہ اور تقاضہ کو کسی اعتبار سے بھی روا نہیں رکھا جاسکتا ہوسکتا ہے کہ خوش نویس صاحب کی روا اندیشی نے ایسی حرکت کی ہو لیکن ہے بہت بڑی زیادتی۔ مزید برآں صفحہ ۸ کے پہلے کالم کی انتیسویں سطر میں "تبصرے" کے تحت ضیاء احمد بدایونی صاحب نے "علم عدولی" بجائے "عدول حکمی" لکھا ہے جو اردو ادب پر داغ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی صفحے کے دوسرے کالم کی بیسویں سطر میں ناشر غلطی کے بدلے میں ناشر غلطی لکھا گیا ہے۔ معلوم نہیں ضیاء احمد صاحب کو نقش سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ علاوہ بریں اب ہماری زبان کا معیار بہت بلند ہوگیا ہے اور ادارہ ہماری زبان کے تمام اراکین بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں جس کے لئے منتظمین بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مولانا ضیاء احمد بدایونی

"ہماری زبان" مورخہ ۱۵ نومبر ۵۷ء میں صفحہ ۱۲ پر کتاب "امیر" کے تبصرے کے سلسلے میں کاتب صاحب سے ایک غلطی ہو گئی ہے جس کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔ میں نے لکھا تھا:

"مشک (مشک) کی تذکیر بھی محل نظر ہے"

کاتب صاحب نے اپنی طرف سے مشک پر زبر بنا کر درمیان نکال کر خود میری عبارت کو محل نظر بنا دیا۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ جس طرح مشک جس کو کتاب مذکور میں مشک لکھا گیا ہے۔ مذکر نہیں ہے۔ میری مراد مشک (ذخیرہ) سے نہ تھی۔

ابھی حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادی کے نامہ گرامی سے یہ معلوم ہوکر افسوس ہوا کہ کتاب "امیر" دیکھ کر موجودہ ناشر نے کتاب کو بغیر حوالہ دیئے احد بغیر مولانا کے مرحوم کے وارثوں سے اجازت لئے (شائع) کردیا ہے جو یقیناً داخل خیانت ہے۔

کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

آئینۂ دلدار — مرتبہ محمد ابرار علی صدیقی ناشر خالد غفر۔ نظامی روڈ۔ کراچی۔ حجم $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۲۵۶ قیمت تین روپے۔ کاغذ اچھا۔

طالب و موہنی — مرتبہ زور، ڈاکٹر سید محی الدین قادری ناشر سب رس کتاب گھر۔ حیدرآباد (آندھرا) حجم $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۸۰۔ قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے کاغذ اچھا۔

مرکز — مصنف سہیل اعظمی۔ ناشر دیپک پبلشرز بالندھر حجم $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۹۶۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ کاغذ اچھا۔

قصر شیریں — مصنف مقدم عبد الحمید۔ ناشر مکتبۂ ماحول۔ برنس روڈ، کراچی۔ حجم $\frac{18 \times 22}{8}$ صفحات ۲۰۰۔ قیمت تین روپے آٹھ آنہ۔ کاغذ اچھا۔

جدید عام ریاضی (فارم ششم) — مصنف۔ این۔ ایم بحلی۔ ناشر کتاب گھر۔ جبل آباد ویلا وشارم۔ حجم $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۲۰۰ قیمت دو روپے بارہ آنے۔ کاغذ اچھا۔

فیض کی نظم یاد کے بارے میں

محمد شمس الدین تاباں

میں جناب سلامت اللہ خاں صاحب کے ارشادات (۲۰ نومبر ۵۵ء "ہماری زبان") کے سلسلے میں عرض کردوں کہ زیر بحث اعتراضات میں نے ذاتی استفادہ کے لئے حضرت مسترد کی خدمت میں روانہ کئے تھے۔ اس لئے ان کی "گروہ کی" یا غلط جذبے کے تحت "مذاق و تمسخر" کرنے کی ذمہ داری سے بری ہوں بلکہ آج کل کی ادبی بے راہ روی پر میری "تلخ نوائی" "دل میں درد سوا" ہونے کی غماز تھی اور بس۔ زیر بحث خط بھی میں اساتذہ سے استفادہ اور پھر طالب علمانہ حیثیت میں خود عجز علمی کا اعتراف ہے اس لئے "خام تنقیدی شعور" کی پوری پوری ذمہ داری مجھے بسر و چشم قبول ہے۔

نفس معاملہ میں آپ نے بجا فرمایا کہ آج کل کے اکثر شاعروں میں فیض ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں یقیناً ان کے کلام میں فکر انگیز اشاریت بھی ہے اور تخیل کی لطافت بھی لیکن "بیان کی خود جبلی" اور "ٹھہراؤ" کے بارے میں ذرا تفصیلی معلومات موجب منت ہونگے۔

کلام کی خصوصیات میں دیگر محاسن کے علاوہ سلاست روانی، چستی اور بے ساختگی کا ذکر پڑھا بھی ہے اور سمجھا بھی ہے لیکن "بیان کی خود جبلی" اور "ٹھہراؤ" کا اندازہ اور اس کے حسن و خوبی کا ادراک آج تک نہ کر سکا۔ بڑا کرم ہوگا اگر ازراہ علم نوازی اس سلسلے میں موقع نہ ہو تو کسی وقت علیحدہ مضمون کی صورت میں مثالوں کی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی جائے تاکہ استفادہ عام کا موقع بھی نکل آئے۔

(۱) میں آپ سے غور کرنے کی درخواست کروں گا کہ سایہ جسم ہی کا ہوتا ہے۔ خواب و خیال کا تعلق بھی جسم و صورت ہی سے ہے۔ چاہے جسم مرئی ہو یا تصویر غیر مرئی اس لئے خواب و خیال کی پرچھائیاں درست قرار پاتی ہیں۔ چونکہ آواز کی کوئی شکل و صورت مرئی یا غیر مرئی متعلق نہیں نیز آواز سنی جاتی اور سایہ دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے "آواز کے سائے" کی ترکیب اہمل و نامناسب ہی قرار پاتی ہے یوں تو ہم سخن آفرینی اور مطلب فہمی کے لئے بچوں کی طوطی اور پرندوں کے چہچے سن کر بھی کچھ نہ کچھ ان کے مقصد و مطالب کو سمجھ جاتے ہیں لیکن زبان و ادب میں الفاظ اپنے معنوی یا مرادی معنوں کے حامل و مافی الضمیر کے مظہر ہونے چاہئیں۔

جو آواز تخیل میں گونجتی ہے وہ چشم سر سے دیکھی جاتی ہے اور نہ نگاہ بصر ہی سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ تخیلی آوازیں، بھولے بسرے گیتوں کی موسیقی، دور رفتگاں کا لب و لہجہ اور ضمیر کی آواز کا واسطہ بھی نہ بصارت سے ہے نہ بصیرت سے بلکہ ان کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ محسوس کی جاتی ہیں۔ آواز کی گونج، آہٹ اور کانوں میں رس پڑنے سے بھی "آواز کے سائے" یا اس کی دید ثابت نہیں اس لئے آواز کے سائے اور ان کا وحشت تنہائی میں لرزاں نظر آنا بے محل و محل نظر ہی رہا۔ حضرت جگر نے اس شعر سے

دیدہ و دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی

وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

میں بھی نہ آہٹ کو دکھایا ہے اور نہ آہٹ سے آواز کے سائے کی طرف خفیف سا اشارہ ہی ملتا ہے بلکہ لفظ پہچانتے کا استعمال کر کے کمال استادی کا ثبوت دیا ہے "پہچاننا" دیکھنے اور سننے کا جامع ہے۔ اس مثال سے بھی آپ کے ثبوت دید آواز کی بجائے دعوئے احساس و ادراک کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔

(۲) "سراب" کے معنی فریب نظر کے یا فریب منظر کے ذرا اس کا تعین ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ آپ فریب نظر فرماتے ہیں اور وضاحت کی جاتی ہے کہ وہ بظاہر وجود ہوتے ہوئے بھی حقیقتاً وجود نہ ہو" یعنی (جو ہوتے ہوئے بھی نہیں) لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے یعنی دراصل واقعی وجود نہ ہو اور بظاہر ہونے کا دھوکا دے، چنانچہ لغات سعد کے الفاظ بجنسہ نقل ذیل ہیں "آنچہ در ایام گرما مسافر تشنہ را بتابش آفتاب ریگ صحرا از دور چون آب نماید و گاہے در شب مہتاب نیز ہم چنیں می نماید" (از منتخب اللغات و بہار عجم و صراح) (یا تو جو مسافر کو دھوپ میں اور کبھی چاندنی میں بھی دور سے مثل بہتے ہوئے پانی کے معلوم دے۔) (کشوری)

(باقی آئندہ)

بھوپال کے مدھیہ پردیش اردو کنونشن کی تجاویز

مدھیہ پردیش اردو کنونشن میں جو تجاویز منظور کی گئی ہیں وہ ذیل میں شریک اشاعت کی جا رہی ہیں۔

تجویز ۱: یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مدھیہ پردیش کے علاقے میں جو رقبہ کے لحاظ سے حکومت ہند کی بہت بڑی ریاست ہے۔ بھوپال برہان پور اور جاورہ وغیرہ اردو کے اہم مرکز رہے ہیں۔ اور دوسرے علاقوں میں جن میں مہاکوشل کا علاقہ بھی شامل ہے اور عام طور پر اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اردو کے ہمہ گیر اثرات زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں نظر آتے ہیں جدید مدھیہ پردیش کی تشکیل کے بعد اردو کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انگریزی سرکاری زبان کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ مگر اردو کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس طرح قوم کے ایک بڑے طبقے کو جو اردو کے ذریعے قومی تعمیر و استحکام میں زبردست حصہ لے رہا ہے۔ مفلوج بنایا جا رہا ہے۔ اردو مسلم طور پر مدھیہ پردیش کی ثانوی زبان ہے جسے آئین اور جمہوری اصول سے حکومت میں ضرور نمائندگی ملنی چاہئے۔

اس لئے مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام حکومت مدھیہ پردیش سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ

(۱) جن مقامات پر پہلے سے اردو مدارس قائم چلے آ رہے ہیں وہاں ان کی ترقی کی شکلیں پیدا کی جائیں اور جہاں نہیں ہیں یا شکست ہو گئے ہیں ان کو از سر نو قائم کر کے مزید سہولتیں دی جائیں۔ اسکول کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کو اگرچہ اختیاری مضمون کی حیثیت سے رکھا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں مزید دشواریاں پیش آ رہی ہیں انھیں دور کیا جائے پبلک اداروں کو بھی اس طرح مالی امداد دی جائے جس طرح دیگر تعلیمی اداروں کو دی جاتی ہیں۔

(۲) اردو ٹیچرس کی تربیت کے لئے مناسب موزوں مقام پر ٹریننگ اسکول قائم کئے جائیں نیز محکمۂ تعلیم کے ماتحت ایک سینئر سپرنٹنڈنٹ آفیسر کا تقرر عمل میں لایا جائے جو براہ راست اردو مدارس کی نگرانی و انتظام کا ذمہ دار ہو۔

(۳) اردو دان عوام کی سہولت اور حصول انصاف کی غرض سے جملہ سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں اردو کی درخواستیں قبول کئے جائے اور ان کے جوابات اردو میں دینے کے انتظامات کئے جائیں۔

نیز میونسپلٹیز، نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی عامی سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اردو میں بھی کارروائی جاری رکھنے کے احکام جاری کئے جائیں اور وہ رپورٹیں اردو میں بھی شائع کی جائیں۔

(۴) سرکاری اعلانات، قوانین و قواعد اردو میں بھی شائع کئے جائیں اور محکمہ اطلاعات عامہ میں اردو سیکشن کا قیام عمل میں لایا جائے۔

(۵) عوامی آگاہی کے لئے سائن بورڈ اور ناموں کی تختیوں میں اردو زبان بھی استعمال کی جائے۔

(۶) پانچ سالہ منصوبے کے تحت جملہ پوسٹر، اعلانات اردو میں بھی شائع کئے جائیں۔

(۷) ریاستی پبلک سروس کمیشن کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے امتحانات میں امیدواروں کو اردو میں بھی جوابات لکھنے کی اجازت دے۔

(۸) ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم جیسے بی۔ اے۔ ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی اور انٹر کے امتحانات میں سوالات کے جوابات صرف ہندی اور انگریزی میں ہی دئے جانے کی اجازت ہے آئندہ اردو میں بھی جوابات لکھنے کی سہولت مہیا کی جائے۔

تجویز ۲: مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام اردو اخبارات و رسائل، اردو کتابوں کے بارے میں صوبائی و مرکزی حکومتوں کی غیر ہمدردانہ و حوصلہ شکن پالیسی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اردو ملک کی عوامی زبان ہے جس میں قدیم کلاسیکی لٹریچر اور جدید ترقی یافتہ عوامی ادب کے خزانے موجود ہیں اور وہ ایک سنجیدہ و معیاری صحافت بھی رکھتی ہے۔ لہٰذا مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام حکومت مدھیہ پردیش سے پرزور مطالبہ کرتا ہے

(۱) اردو اخبارات و رسائل کو سرکاری اشتہارات اور سرکاری تعاون میں برابر کا حصہ دیا جائے۔

(۲) سرکاری مدارس، پبلک لائبریریوں نیز سرکاری اور دوسرے ترقیاتی اداروں اور مرکزوں کے لئے اردو اخبارات و رسائل اور کتابوں کی مستقل خریداری کا انتظام کیا جائے۔

"ہماری زبان" کا سالانہ قیمت تین روپے ہے۔ وی پی سے مزید آنے اور منی آرڈر سے منگوانے پر صرف آتا ہے

تجویز ۳

آل انڈیا ریڈیو بھوپال اور اندور سے اردو کے پروگرام کبھی کبھی برائے نام نشر کئے جاتے ہیں اور اردو کے فن کاروں کو دوسری زبانوں کے فن کاروں کی طرح اپنی تخلیقات نشر کرنے کا بہت کم موقع دیا جاتا ہے۔

لہٰذا مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام محکمہ نشریات حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو بھوپال اور اندور کے اس غیر جمہوری اور غیر منصفانہ رویہ کو ختم کر کے اردو کو موثر نمائندگی دی جائے اور اردو کے فن کاروں کو ریڈیو پر اپنی تخلیقات نشر کرنے کے کافی مواقع دئے جائیں تاکہ اردو دوست حلقے اپنے جمہوری حقوق سے مستفید ہو سکیں۔

تجویز نمبر ۴

مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام کئی سال کے مشاہدے کی روشنی میں صورت حال کو جو اردو کورس کی کتابوں کے بارے میں حکومت کی بے توجہی اور بے اعتنائی سے پیدا ہو گئی ہے اردو کی تعلیم کے لئے بہت تشویشناک خیال کرتا ہے کیونکہ اس سے ایک طرف تو اردو سیکھنے والے بچوں کا تعلیمی نقصان ہوتا ہے اور دوسری طرف خود حکومت کے تعلیمی نظام پر برا اثر پڑتا ہے۔ جو ہمارا قومی نقصان ہے اس لئے مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ جلسہ عام حکومت مدھیہ پردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ عام نصابی کتابوں کی طرح اردو نصاب کی کتابوں کا انتظام کیا جائے۔ اور اس طرح بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی بنیادی سہولت مہیا کی جائے۔

تجویز نمبر ۵

ہمارے ملک میں بعض اداروں نے اردو تعلیم کو معیار پر لانے کے لئے اردو کے اکیڈمک امتحانات کے سلسلے جاری کئے ہیں۔ جو طالب علموں میں ویسا ہی علمی و ادبی تخلیقی شعور ابھارتے ہیں جیسا کہ دوسری رائج زبانوں کی اکیڈمک تعلیم سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ اجلاس عام حکومت مدھیہ پردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان اداروں مثلاً جامعہ اردو علی گڑھ وغیرہ کے امتحانات کو مدھیہ بھارت بورڈ اور مدھیہ پردیش بورڈ سے منظور کرے نیز ان طلبہ کو بھی جو اردو کے اکیڈمک امتحانات پاس کر چکے ہیں اس طرح سرکاری ملازمت کا موقع دیا جائے جس طرح دوسری زبانوں کے امتحانات پاس کرنے والوں کو دیا جاتا ہے۔

(۲) ساگر یونیورسٹی، جبل پور یونیورسٹی اور وکرم یونیورسٹی (اجین) کے ارباب حل و عقد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بھی ان امتحانات کو تسلیم کر کے اردو طلبہ کو تعلیمی سہولت دیں۔ نیز لائبریریوں میں اردو کی کتابوں کا ذخیرہ مہیا کریں۔

تجویز نمبر ۶

مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ جلسہ عام صدر جمہوریہ ہند کی توجہ یوپی اور بہار کے اردو جاننے والے عوام کی ان لاکھوں دستخط شدہ عرض داشتوں کی جانب مبذول کراتا ہے جو حسب منشا آئین ہند کئی سال پیشتر اردو کو ان صوبوں کی علاقائی زبانوں کا درجہ دینے کے سلسلے میں پیش کی جا چکی ہے۔

یہ اجلاس صدر جمہوریہ ہند سے درخواست کرتا ہے کہ جلد از جلد ان عرض داشتوں کو قبول فرما کر اردو کو صوبہ جات یوپی بہار کی علاقائی زبان قرار دے۔

تجویز نمبر ۷

مدھیہ پردیش اردو کنونشن کا یہ جلسہ عام انجمن ترقی اردو ہند کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ مدھیہ پردیش اور ملک کے دیگر حصوں کے اہم فن کاروں کی خطرناک بیماریوں اور زبوں حالی میں فوری اور عارضی مالی امداد کے لئے ایک فنڈ قائم کرے تاکہ اردو کے سچے خدمت گزاروں کو پریشان حالی سے بچایا جا سکے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

اردو اور لاطینی رسم خط

(بہ سلسلہ گزشتہ)

اکبر پوری۔ سری نگر کشمیر

ان نقائص کے پیش نظر یہ سوچا جاسکتا ہے کہ کیا ناقص رسم خط کو بدل دینا چاہئے؟ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ دنیا کی کسی زبان کا رسم خط بھی مکمل نہیں۔ خود لاطینی رسم خط مغربی زبان کے لئے بھی مناسب نہیں۔ انگریزی زبان کا رسم خط اس قدر ناقص ہے کہ حروف تہجی صرف ۲۲ آوازوں کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ انگریزی زبان کی ابجد کس قدر ناقص ہے۔ اس کے متعلق اہل زبان کی رائے ہے:۔

"اگر ہماری ابجد ہر طرح سے مکمل ہوں تو ہمارے ہاں ہر آواز کو ظاہر کرنے کے لئے ایک مستقل علامت ہوتی لیکن بدقسمتی سے ہماری ابجد نہایت ناقص ہے کیوں کہ ہمارے ہاں چار حروف (vowels) اعرابی ہیں جن سے ۲۰ مختلف آوازیں ادا کرنی پڑتی ہیں............ بیس اصوات اعرابی (vowel sounds) کو ایک سو باون مختلف صورتوں میں لکھا جاسکتا ہے۔ ۲۵ اصوات اصلی consonant sounds ظاہر کرنے کے لئے (۱۰۲) مختلف صورتیں ہیں"

(انگلش گریمر مصنفہ جے۔ سی نیسفیلڈ جلد چہارم باب تلفظ)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انگریزی زبان میں لاطینی زبان کی طرح دو قسم کے حروف ہیں۔ حروف اصلی اور حروف اعراب۔ حروف اصلی اکیس ہیں جو صرف ۱۷ مختلف آوازوں کو ظاہر کرسکتے ہیں کہ ان میں c، k، q، x گویا مکرر ہیں لیکن ان مترو حروف سے چھبیس آوازیں ادا کی جاتی ہیں پھر ایک ہی حرف کی اس قدر مختلف آوازیں ہیں کہ یہ ۲۵ آوازیں ۴۴ مختلف صورتوں میں ظاہر کی جاسکتی ہیں مثال کے طور پر F کی آواز کو لیجئے۔

Feet, whiff, phlegm, elephant, half, often, sapphire, lieutenant

حروف اعراب پانچ ہیں لیکن اصوات اعرابی بیس ہیں گویا بیس آوازیں صرف پانچ علامتوں سے ظاہر کرنی پڑتی ہیں۔ حروف اصلی کی طرح یہاں بھی ہر ایک حرف اس قدر مختلف آوازوں کو ظاہر کرسکتا ہے کہ یہ بیس اصوات اعرابی ایک سو باون مختلف صورتوں میں ظاہر کی جاسکتی ہیں مثال کے طور پر a کی آواز کو لیجئے یہ تیرہ سے زیادہ مختلف صورتوں میں ظاہر کی جاسکتی ہے۔

Fatal, Fate, Play, Campaign, Straight, Vein, They, Reign, Weigh, Break, Gaol, Gauge etc.

غرض کہ انگریزی زبان کا رسم خط کئی حیثیتوں سے ناقص ہے:۔

(۱) حروف اصلی مترو ہیں جن سے چھبیس آوازیں ظاہر کی جاتی ہیں۔
(۲) حروف اعرابی پانچ ہیں لیکن ان سے بیس آوازیں ادا کی جاتی ہیں۔
(۳) ایک ہی آواز کئی مختلف صورتوں میں ظاہر کی جاسکتی ہے
(۴) ایک ہی حرف کئی مختلف آوازوں کو ظاہر کرسکتا ہے۔
(۵) ہندی اور غیر اہل زبان کے لئے اس زبان کا صحیح تلفظ اور صحیح ہجے سیکھنا بہت ہی مشکل ہے۔
(۶) کتابت اور طباعت کے لئے مختلف رسم خط ہیں۔
(۷) کتابت کا رسم خط اس قدر پیچیدہ ہے کہ تیز لکھا ہوا بآسانی پڑھ لینا محال ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قدر تفصیل کے بعد یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ زبان اردو کے لئے جس میں ۵۲ آوازیں ہیں، لاطینی رسم خط (جو صرف ۲۲ آوازوں کو ظاہر کرسکتا ہے) اختیار کرنے کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ ہم اردو سیکھنے والوں کے لئے پہلے سے بھی زیادہ دقتیں پیدا کردیں۔

حقیقت میں حروف تہجی میں سے ایک ایک اپنے اندر مستقل تاریخ لئے ہوئے ہے۔ ان کی تبدیلی اس علمی خزانہ کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی متمدن ترین اقوام نے بھی اس کام کی طرف قدم اٹھانا مناسب خیال نہیں کیا۔ غرضکہ موجودہ رسم خط کو چھوڑ کر نیا رسم خط اختیار کرنا گویا اسلاف اور بزرگوں کے تمام علمی سرمایہ اور بیش بہا معلومات کو دریا برد کرنے کے برابر ہے۔ اس لئے اردو اسی رسم خط میں پنپی اور پنپتی ہے اور اس کی بقا اور فروغ کے لئے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

تبصرے

ڈاکٹر نذیر احمد

طالب وموہنی

مرتبہ: ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب ایم اے

ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد حیدرآباد (آندھرا) قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

ضخامت ۸۰ صفحات۔ تقطیع خرد۔ طباعت عمدہ

طالب وموہنی مہاراشٹر کے ایک تاریخی شہر پرینڈہ کی ایک پرانی داستان عشق ہے جس کو سید محمد والہ موسوی متوفی ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۰ء نے حیدرآباد دکن میں (۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء) کے قریب نظم کیا تھا۔ یہ کتاب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے اہتمام سے امسال پہلی بار سلسلہ مطبوعات ادارہ ادبیات کے ذیل میں شائع ہوئی۔

اس مثنوی کی اہمیت کئی اعتبار سے ہے۔ اول خود اس کا مصنف اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ وہ ایران کے نہایت ہی ممتاز خانوادے کا ایک فرد تھا۔ اس کے جد امجد سید رضی الدین ابوالحسن ذوالحسبین تھے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کے خطبات و مقالات کو نہج البلاغہ کے نام سے مرتب و مدون کیا۔ سید رضی الدین اور ان کے بھائی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ چوتھی صدی کے ان ممتاز ترین علماء میں تھے جن کے حالات سے ساری تاریخیں و تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ سید محمد والہ ایران سے ہندوستان آئے اور وہاں سے حیدرآباد پہنچے۔ یہیں عبداللہ قطب شاہ کے داماد سید نظام الدین احمد مصنف حدیقۃ السلاطین کی لڑکی سے شادی ہو گئی۔ آندھرا پردیش کے حالیہ وزیر سید محمد مہدی صاحب والہ ہی کی اولاد میں ہیں۔ دوم اس کتاب کی لسانی اہمیت بھی قابل ذکر ہے۔ یہ اس دور کی یادگار ہے جب ہماری دکنی زوال پذیر ہو رہی تھی اور ادب کا مرکز جنوب سے شمال میں منتقل ہو رہا تھا اس کتاب کی اشاعت سے اردو کے لسانی ارتقا کے سمجھنے میں بڑی سہولت ہوگی۔ سوم یہ کہ بقول نصیر الدین ہاشمی میر تقی میر کی دریائے عشق والہ ہی کی مثنوی پر مبنی ہے۔ اور ڈاکٹر زور کا قیاس یہ ہے کہ میر کی مثنوی کے کئی حصے طالب وموہنی سے ماخوذ نظر آتے ہیں اور خاص کر خاتمہ تو بالکل اسی کا چربہ اتارا گیا ہے۔ پنجم بقول مرتب "اس کی اشاعت سے قدیم اردو کے محققین کو بحث و تحقیق کو ایک نیا موضوع دستیاب ہوگا اور جہاں ابن نشاطی کی پھول بن (۱۰۶۶ھ) سے اس کا مقابلہ کیا جائے گا (اس لئے کہ پھول بن سے متاثر ہو کر والہ نے یہ قصہ نظم کیا تھا) میر تقی میر کی دریائے عشق سے بھی اس کا موازنہ ہو سکے گا جو اسی کے پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے حسن اتفاق سے یہ دونوں پہلے ہی چھپ چکی ہیں اور طالب وموہنی کے چھپنے سے زنجیر کی سب کڑیاں مربوط ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک درمیانی کڑی تھی جو اب تک نظروں سے اوجھل تھی اس کی اشاعت سے میر کی دریائے عشق کا سلسلہ ابن نشاطی کی پھول بن تک پہنچ جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو ادب اور زبان کا ارتقا زمان و مکان کی دوریوں کے باوجود فطری مدارج سے گزرتا رہا ہے۔"

طالب وموہنی کے مطبوعہ نسخے میں ۲۲ صفحے کا عالمانہ مقدمہ شامل ہے پہلے اس کتاب کی اشاعت کی ضرورت بیان کی گئی ہے پھر والہ کے حالات زندگی دیے گئے ہیں حسن اتفاق سے حالات کے ماخذ میں خود والہ کے ایک شاگرد کی کتاب لمعات الشمس ہے جس کا ایک اہم مخطوطہ ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر ہے پھر والہ کی ۱۱ تصانیف کا تعارف ہے ان میں سے بعض ڈاکٹر زور کے سامنے ہیں ایک تصنیف کے بارے میں اختلاف رائے ہے اس کے بعد مثنوی طالب وموہنی اور اس کتاب کے مخطوطے کے متعلق الگ الگ مختصر مگر دلچسپ بحث ہے۔ اسی پر ڈاکٹر صاحب کا مقدمہ ختم ہو جاتا ہے متن صفحہ ۲۵ تا ۸۰ پھیلا ہے۔

اتفاق یہ ہے کہ باوجود مثنوی کی شہرت کے اس کا اور کوئی نسخہ ہندوستان میں دستیاب نہیں ہو سکا۔ انڈیا آفس میں ایک نسخہ موجود ہے جس کی تفصیل جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے صفحات ۴۲۲ تا ۴۴۳ پر پیش کر دی ہے پھر "مدراس میں اردو" میں بھی اس کی بحث شامل کی ہے۔ ڈاکٹر زور صاحب انڈیا آفس کا یہ نسخہ حاصل نہ کر سکے اس لئے متن کی تصحیح و مقابلہ کی صورت نہ نکل سکی۔ گرچہ ہاشمی صاحب کے نقل کئے ہوئے اشعار اکثر غلط ہیں لیکن ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں نسخوں میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر زور صاحب کے نسخے میں سال کتابت درج نہیں پھر بھی ان کا خیال ہے کہ یہ نسخہ مصنف کے قریبی زمانے کا ہوگا۔ انڈیا آفس والے نسخے میں سنہ کتابت ۱۱۱۸ھ درج ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ مصنف کی حیات ہی میں مرتب ہوا۔ اس لئے بہت اہم ہے۔ دونوں نسخوں کے مطالب کے تفاوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مطبوعہ مثنوی کے ص ۵۴ پر جو غزل درج ہے اس میں معناً تو غزل کے ہیں مگر اس کا فارم غزل کا نہیں ہے اور غالباً اسی وجہ سے اس کا عنوان یہ نظم ہوا ہے۔

کیفیت غزلیا کہ طالب   بانی مضمون می گفت

اس کے برخلاف ہاشمی صاحب کے یہاں ہر بیت کا دوسرا مصرع مطلع کا ہم قافیہ ہے۔

ڈاکٹر زور کے مقدمے میں بہت مفید معلومات درج ہیں۔ ان میں سے دو ایک کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) سید والہ موسوی کے والد کی نسبت خراسانی لکھی ہے (ص ۱) اور والہ کا مولد قم بتایا گیا ہے۔ قم خراسان میں شامل نہیں ہے بلکہ جب پورے ایران کی تقسیم خراسان و عراق میں کی جاتی ہے اس حالت میں بھی قم کا شمول عراق میں ہوتا ہے خراسان میں نہیں۔ لمعات الشمس کا جو عکس زیر نظر مخطوطے میں شامل ہے اس میں یہ سبب ہے۔ "میر باقر نام باب پاک اوست مولدش قم الخ" اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اور اس کے باپ کا وطن قم ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر زور صاحب کو کسی اہم ماخذ سے والہ کے والد کی خراسانی نسبت حاصل ہوئی ہوگی۔

(۲) والہ کے خسر کا نام سید نظام الدین اور غلطاً سید احمد لکھا ہے (ص ۷)۔ غالباً یہ وہی بزرگ ہیں جو فنون ریاضی و نجوم کے بڑے ماہر اور مولف حدیقۃ السلاطین تھے وہ شیراز الاصل تھے اور ان کے والد عبداللہ شیرازی ہیں۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر زور کی داستان ادب حیدرآباد ص ۲۰۰۰۲۲)

(۳) ڈاکٹر زور صاحب نے لمعات الشمس کی مدد سے والہ کا شجرۂ نسب یہ مرتب کیا ہے۔

"سید والہ پسر میر باقر ابن سید نظام ابن ابوالقاسم ابن میرباقر از اولاد ابو احمد عرفان احمد ابن رضی الدین ابن حسین ابن موسیٰ ابن ابراہیم ابن امام موسیٰ کاظم"

اس میں "عرفان" طباعت کی غلطی ہے۔ اصل لفظ عدنان ہے۔ لمعات الشمس کے عکس میں یہی ہے اور نیز ڈاکٹر زور صاحب کی دوسری تصنیف تذکرۂ مخطوطات جلد سوم ص ۹۲ پر عدنان ہی ہے (تذکرے میں طالب و موہنی کے قلمی نسخے کے ذیل میں مطبوعہ نسخے کا پورا مقدمہ شامل ہے) احمد رضی الدین کا شجرہ یوسف شیرازی نے فہرست کتاب خانۂ مدرسۂ عالی سپہ سالار تہران جلد دوم میں (ص ۱۴۹) اس طرح دیا ہے:

سید رضی (ابوالحسن، ذوالحسبین، الشریف الاجل،

نقیب الطالبیین محمد بن الطاہر، ذوالمناقب ابی احمد الحسین بن موسیٰ (کذا)، بن محمد بن ابراہیم المرتضیٰ ابن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہم اجمعین۔) ولادت ۳۵۹ وفات ۴۰۶ یا ۴۰۰ھ۔ تصانیف نہج البلاغہ۔ خصائص الائمہ۔ مجازات الآثار النبویہ۔ تلخیص البیان عن مجازات القرآن۔ حقائق التاویل فی متشابہ التنزیل۔ سیرۃ والدہ الطاہر۔ رسائل رضی۔ ما دار بینہ و بین ابی اسحٰق الصابی۔

کتاب الزیادات فی شعر ابی تمام۔ مختار شعر ابی اسحٰق۔ اخبار قضات بغداد۔ تعلیق خلاف الفقہاء۔ حاشیہ بر ایضاح ابوعلی فارسی۔ دیوان شعر۔ معانی القرآن (ص ۱۵۲-۱۵۳)

(۴) ڈاکٹر زور صاحب نے سید رضی کے برادر حقیقی کا نام سید علی مرتضیٰ لکھا ہے۔ ان کا نام دراصل یہی تھا مگر وہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے نام سے اتنے مشہور ہیں کہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

مطبوعہ کتاب میں تین عکس ہیں اور تینوں نہایت ہی اہم ہیں۔ دو عکس والہ کی دو کتابوں یعنی اساس الایمان اور دستور نظم کے ہیں۔ یہ دونوں مخطوطے خود والہ ہی کے ہاتھ کے ہیں۔ اول الذکر ۱۱۴۹ھ میں اور دوسرا ۱۱۵۴ھ میں لکھا گیا۔ تیسرا عکس لمعات الشمس کا ہے جس میں دو صفحے ہیں ایک صفحے میں والہ کا شجرۂ نسب اور دوسرے میں سید رضی کے حالات ہیں۔ ان عکسوں کے شامل کر دینے سے کتاب کے ظاہری و باطنی حسن خاطر خواہ میں اضافہ ہو گیا ہے۔

قصہ طالب و موہنی کی اشاعت سے اردو ادب کے ذخیرہ میں نہایت قابل قدر اضافہ ہوا۔ اس لحاظ سے ہم ڈاکٹر زور کے انتہائی ممنون احسان ہیں۔ امید کہ اس گراں قدر تصنیف کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جائے گا
